

اشارات

پاکستان --- پچاسویں یوم آزادی کے موقع پر

پروفیسر خورشید احمد

اس مہینے پاکستان اپنی زندگی کے پچاسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ پاکستان کا قیام ایک تاریخ ساز واقعہ ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے دنیا کے سیاسی نقشے پر اس نام کا کوئی ملک موجود نہ تھا جیسے مصر، شام، انڈونیشیا وغیرہ۔ بلاشبہ برعظیم میں مسلمان پہلی صدی ہجری سے موجود تھے اور انگریزوں کی آمد سے پہلے اس ملک میں تقریباً نو سو سال تک ان کی حکومت رہی۔ لیکن برطانوی استعمار کے غلبہ کے بعد اس علاقے کی سیاسی اور نظریاتی حیثیت بدل گئی۔ پاکستان کے لیے تحریک اٹھی تو وہ ایشیا اور افریقہ کے بیشتر ممالک کے نمونے سے ہنر محض و وطن کی آزادی کے لیے نہیں تھی بلکہ ایک ایسے ملک کو وجود میں لانے کے لیے تھی جو برصغیر کے مسلمانوں کا نظریاتی اور تمدنی مرکز بن سکے۔ اصل ہدف ایک ایسی آزاد مملکت کا قیام تھا جہاں مسلمان اپنے عقائد و نظریات، قانون و اقدار، تمدنی و ثقافتی اور اپنی روایات و تاریخ کی روشنی میں ایک نیا معاشرہ اور نئی ریاست تعمیر کر سکیں۔ اس تحریک نے مغرب کے غالب سیاسی تصورات یعنی سیکولرزم، لیبرلزم اور ساقی قومیت کو چیلنج کیا اور دین و دنیا کی وحدت اور اسلام کے نامگیر مشن کی بنیاد پر ایک ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد کی۔ اس جدوجہد سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قائم ہونے کی صورت میں پہلی اور بڑی روشن مثال وجود میں آئی۔ ایک مستشرق کے الفاظ میں: مسلمانان ہند کا پاکستان کے حق میں فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے فیصلے کے مماثل تھا۔

قائد اعظم نے پاکستان کے اس نظریے اور بنیاد کو بہت دو ٹوک الفاظ میں بیان کیا تھا۔ اس بات کی مزید تشریح قیام پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد مسلسل کی۔ ان کا ارشاد تھا:

”اسلام ہمارا بنیادی اصول اور حقیقی سہارا ہے۔ ہم ایک ہیں اور ہمیں ایک قوم کے طور پر آنے بڑھنا ہے۔ تب ہی ہم پاکستان کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوں گے۔“

”پاکستان کا مطلب محض آزادی نہیں ہے بلکہ مسلم نظریہ حیات کا تحفظ ہے جو ہمیں ایک قیمتی تحفہ اور خزانے کے طور پر ملا ہے۔ اور جس میں ہمیں امید ہے کہ دوسرے بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں گے؟“

”مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں، جہاں وہ اپنے طریقہ حیات، اپنی ثقافت، روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کر سکیں۔ ہمارا مذہب، ہماری ثقافت اور ہمارے اسلامی مقاصد، حصول آزادی کے لیے ابھارنے والی اصل قوتیں ہیں۔“

(Some Recent Speeches and Writings of Mr. Jinnah, ed by M.A. Jamil. Lahore. pp 89,366,369.)

اگر ہم بات عم سیاسی کی زبان میں کہیں تو یہ دعویٰ بجا ہو گا کہ پاکستان کا قیام دراصل ایک معاہدہ عمرانی (social contract) کا نتیجہ ہے، جو تحریک پاکستان کی قیادت نے صرف پاکستان کا حصہ بننے والے علاقوں کے مسلمانوں ہی سے نہیں، بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں سے کیا تھا۔ اسی لیے اس معاہدہ عمرانی کا پہلا اور سب سے بنیادی دستوری مظہر قرارداد مقاصد کی صورت میں نمودار ہوا جس کو دستور ساز اسمبلی نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ کو منظور کیا اور جسے بجا طور پر دستور کی اساس، قومی چارٹر اور اعلیٰ ترین قانون قرار دیا جاسکتا ہے۔

پاکستان کا ظہور ایک ایسا تاریخ ساز واقعہ ہے جس کے بڑے دور رس اثرات نہ صرف برصغیر، بلکہ پورے عالم اسلام پر بھی مرتب ہوئے۔ ہم آگے بڑھنے سے پہلے اس کے چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ ضروری سمجھتے ہیں۔

قیام پاکستان کا پہلا اور سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے دور حاضر میں برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی خودی کو پہچانا اور اس طرح اپنے حقیقی وجود کو پایا۔ اس نے اہل پاکستان کو ان کا اصل تشخص دیا تھا۔ کانگریس اور سامراجی قوتیں جو خطرناک کھیل کھیل رہی تھیں، وہ ناکام ہوئیں اور مسلمانوں نے اپنے اصل تشخص کی بقا اور استحکام کے لیے جان کی بازی لگا دی۔ انہوں نے بھی جن کو اس جدوجہد کے نتیجے میں سیاسی آزادی ملی اور انہوں نے بھی جو جانتے تھے کہ سامراج کے رخصت ہونے کے بعد وہ خود حقیقی آزادی کی روشن صبح سے محروم رہیں گے۔ ان کو یہ یقین تھا کہ مسلمانوں کی ایک ایسی آزاد مملکت قائم ہوگی جو اسلام کا مظہر اور سارے مظلوم انسانوں کا سہارا ہوگی۔ نظریاتی وطن کے قیام کی اس کامیاب جدوجہد نے مغرب کی لاویٹی قومیت کے بت کو پاش پاش کر دیا اور ملت اسلامیہ پاک و ہند نے اقبال کا ہم زبان ہو کر انسانیت کے لیے ایک نئے روع پرور تشخص کی یافت سے ایک نئے دور کا آغاز کیا ہے

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں خاص ہے ترکیب میں قوم رسول باشی قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری اور جمعیت ہونی رخصت تو ملت بھی کنی قیام پاکستان کا یہی وہ پہلو ہے جس نے ۱۹۴۷ء کے بعد پوری مسلم دنیا میں اسلامی ریاست اور اسلامی تمدن کے احیاء کی ایک رو دوڑائی۔ مصر ہو یا شام، انڈونیشیا ہو یا ملائیشیا، ترکی ہو یا سوڈان، ایران ہو یا افغانستان غرض عالم اسلام کے جس گوشہ میں شریعت کے احیاء کی تحریکیں موجود تھیں یا نمودار ہوئیں، پاکستان کی قیام مقاصد اور اسلامی احیاء کی سعی و جہد کو بطور مشعل راہ کے پیش کیا گیا۔

قیام پاکستان کا دوسرا اہم پہلو یہ تھا کہ اس کے نتیجے میں ایک طرف اہل پاکستان نے خلائی کی زنجیریں توڑیں، دوسری طرف برصغیر کے مسلمانوں کو امن کی جگہ میسر آئی۔ برعظیم کے مسلمانوں کے ایک بڑی تعداد ”بے ترک و وطن سنت محبوب الہی“ پر عمل کرتے ہوئے اپنے گھر بار چھوڑ کر اس نئے ملک کی تعمیر کے لیے سرگرم عمل ہو گئی۔ جس جذبے اور جن عزائم سے یہ ترک و اختیار کے واقع ہوئے، وہ ہماری تاریخ کا نہایت ہی ایمان افروز اور روشن باب ہے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے پاکستان کو ان اولیں ایام میں ان تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کے لائق بنایا، جو اس نوزائیدہ ملک کو درپیش تھے اور جن حوادث کا ہدف اس غنچے کو پھول بننے سے پہلے ہی مسل دینا تھا۔ آزادی خود ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس کا پورا ادراک انھی نوٹوں کو ہو سکتا ہے جنہوں نے خلائی کی تاریک رات کی صعوبتوں کو برداشت کیا ہے۔ آزادی کی شکل میں جو نعمت آج اہل پاکستان کو حاصل ہے وہ ہر دوسری نعمت سے زیادہ قیمتی اور حیات بخش ہے۔

اس تحریک کا تیسرا پہلو یہ تھا کہ یہ ایک عوامی اور جمہوری تحریک تھی۔ قائد اعظم نے مسلمان عوام کو بیدار اور منظم کیا اور سب کچھ ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے عوامی قوت اور تائید کے ذریعہ سات سال کی قلیل مدت میں وہ کام کر دکھایا جسے دوسرے قوتوں میں بھی انجام نہ دے سکتے۔ تحریک پاکستان ایک عوامی تحریک تھی۔ جن کی نظر تحریک پاکستان کی تاریخ پر ہے، وہ جانتے ہیں کہ سیاسی اشراف (elites) نے کس کس طرح اس تحریک کا راستہ روکا اور سازشوں کے جال بنے۔ لیکن اللہ کے فضل سے قائد اعظم کی قیادت اور عوام کی تائید و اعانت نے اس تحریک کو آزادی کی منزل سے ہمکنار کیا۔ اس تحریک کا چوتھا پہلو یہ تھا کہ قیام پاکستان اس تحریک کی آخری منزل نہیں تھا بلکہ پہلا سنگ میل تھا۔ اصل ہدف ایک ایسے معاشرہ اور ریاست کا قیام تھا، جو اللہ اور اس کے رسول کا سچا و فاعل اور ان تعلیمات کا آئینہ دار ہو، جو انہوں نے انسانیت کو عطا کی ہیں۔ جس میں اخلاقی اقدار کو بالا دستی

حاصل ہو، جہاں فرد کے حقوق کی پوری حفاظت ہو، جہاں ہر مرد اور ہر عورت کی جان، مال اور آبرو محفوظ ہو، جہاں تعلیم کی روشنی سے ہر فرد نور حاصل کر سکے۔ جہاں قانون کی حکمرانی ہو۔ جہاں کے حلال رزق اور معاشی ترقی کے مواقع تمام انسانوں کو حاصل ہوں، جہاں عدل اجتماعی کا بول بالا ہو اور جہاں ریاست اور اس کے کارپرداز عوام کے خادم ہوں۔ اسلام اور اس کے دیئے ہوئے جمہوریت اور عادلانہ نظام کا یہ تصور تھا جس نے مسلمانوں کو اس تحریک میں پروانہ وار شریک کیا تھا اور وہ ہر ملاکتے تھے ہم کو ایک بار پھر اس دور کا احیا کرنا ہے جس کی مثال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدینؓ نے قائم کی تھی۔

آئیے، قیام پاکستان کے ان مقاصد اور عزائم کے پس منظر میں پچاسویں سال کے آغاز پر اس امر کا جائزہ لیں کہ پاکستانی قوم اور اس کی قیادتوں نے کہاں تک ان اہداف کی طرف پیش قدمی کی اور ملک عزیز کو کون سے مسائل، خطرات اور چیلنج درپیش ہیں۔ نیز ان حالات میں اصل منزل کی طرف پیش رفت کے لیے صحیح حکمت عملی اور لائحہ عمل کیا ہے۔

تحریک پاکستان اور تاریخ پاکستان کے معروضی تجزیہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قیام پاکستان کا اصل کیریڈا اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کے بعد اگر کسی کو جاتا ہے تو وہ قائد اعظم کی فراست و قیادت اور مسلمان عوام کا جذبہ اور قربانی ہے۔ آزادی کے فوراً بعد ان کی بیماری اور وفات نے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی، جس میں وہ کھونٹے سکے، جو ان کے گرد جمع تھے، اقتدار پر قبضہ جمائے ریاست کی مشینوں کو بالکل دوسرے ہی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے لیے میدان میں آئے۔

پہلے وزیر اعظم کو گولی کا نشانہ بنا کر قومی منظر سے ہٹا دیا گیا، دوسرے وزیر اعظم کو برطرفی کی تہوار سے نکال باہر کیا گیا۔ جب کہ ان کے مخلص ساتھیوں کو سازشوں کے ذریعہ غیر موثر کر دیا گیا، اور چند ہی سال میں بساط سیاست ایسی بدلی کہ اصل نقشہ درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ طبقہ جس نے مختلف صورتوں میں برطانوی اقتدار کی چاکری کی تھی، خواہ اس کا تعلق سول اور ملٹری انتظامیہ سے ہو یا سیاسی کوچہ گردوں کے قبیلے سے، اقتدار کے ہر میدان پر قابض ہو گیا۔ قانون اور ضابطے کا احترام ختم ہو گیا۔ منتخب دستور ساز اسمبلی کو توڑ دیا گیا۔ انتظامیہ اور پولیس کو سیاسی قیادت نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا، جو بالآخر انہی کے ہاتھوں اسیر ہو کر رہ گئی۔ فوج کو بھی سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ عدلیہ نے کچھ مزاحمت کی، لیکن اسے بھی لگام دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ ۹ سال بعد پہلا دستور بنا جسے ۲۲ سال کے بعد توڑ دیا گیا، اور دستور شکنی کی ایک ایسی ریت چل پڑی، جس کے مذموم اثرات سے آج بھی نجات ممکن نہیں۔ جس احساس تشخص نے قوم کو جوڑا تھا، اس پر ہر

طرف سے تیشہ چلایا گیا: لادینی نظریات، علاقائیت، انسانیت، پر اداری کا تعصب، قبائلیت غرض کون سا تیشہ ہے جو اس پر نہ چلایا گیا ہو۔ آزادی کے بعد ۲۳ سال تک بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب نہ کرائے گئے۔ جس کے نتیجے میں علاقائی تعصبات نے سیاست کو آلودہ کیا اور قومی سیاست کی گاڑی پنہوی سے اتر گئی۔ مغربی اور ہندو تہذیب کو رواج دینے کی دانت کو شش کی گئی۔ معاشی ترقی کا وہ راستہ اختیار کیا گیا جس نے ملک کو ایک طرف طبقاتی تصادم میں مبتلا کیا تو دوسری طرف مغرب کے سودی سامراج کے چنگل میں اس طرح گرفتار کر لیا کہ آج ملک ۲۸ بلین ڈالر کے بیرونی اور ۸۰۰ ارب روپے کے اندرونی قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ملک کا ہر فرد ۱۵ ہزار روپے سے زیادہ کا مقروض ہے اور پیدا ہونے والا ہر بچہ اپنے کندھے پر اس قرض کا بوجھ لے کر اس دنیا میں آ رہا ہے۔

فوج کے انگریز سربراہ نے قائد اعظم کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور کشمیر کے بڑے حصے پر بھارت اصلاً فوجی قوت کے ذریعے ایک غیر قانونی (illegitimate) وثیقہ الحاق کا سہارا لے کر قابض ہو گیا اور آج تک قابض ہے۔ کشمیر کے عوام بھارت کے غاصبانہ قبضے کے خلاف مسلسل سرگرم جہاد میں۔ لیکن پاکستان کی ہر قیادت ان کی موثر مدد کرنے میں ناکام رہی ہے اور مقبوضہ کشمیر میں ۸۰ لاکھ سے زیادہ مسلمان مسلسل ظلم کا نشانہ بن رہے ہیں اور مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔

پاکستانی قیادتوں کی مسلسل غلط کاریوں اور عاقبت ناشناس پالیسیوں کے نتیجے میں بھارت کو موقع ملا کہ کشمیر کے بعد مشرقی پاکستان کو بھی قوت کے ذریعے پاکستان سے الگ کر دے۔ اس طرح دسمبر ۱۹۷۱ میں پاکستان کو دو ٹکٹ کر دیا گیا۔ ستم بالائے ستم کہ ہم آج تک ”فکرت رشتہ تسبیح“ کے اصل ذمہ دار کا محاسبہ بھی نہیں کرتے۔

آزادی کے ۳۹ برسوں میں ۲۳ برس تک وطن عزیز مارشل لائی گرفت میں رہا اور باقی ایام بھی حقیقی جمہوریت سے بالعموم محروم رہے۔ پاکستان کا اصل المیہ یہ ہے کہ آج تک اقتدار حقیقی معنوں میں عوام کی طرف منتقل نہیں ہوا اور زندگی کے ہر شعبہ پر ایک مخصوص گروہ مسلط ہے۔ آبادی کے پانچ فی صد سے بھی کم افراد قومی دولت کے بڑے حصے پر قابض ہیں۔ زمین کا ۹۰ فی صد صرف ۱۰ فی صد کے پاس ہے۔ ۱۰ ہزار بڑے خاندان ہیں جو زمین کے ۵۰ فی صد سے زیادہ کے مالک ہیں۔ اور ان کے مالکان حقوق مسلمانوں سے غداری کے حصے میں آئریز کا عطیہ ہیں۔ تقریباً دو ہزار خاندان ہیں جو ۱۹۵۰ سے اب تک سیاست پر چھائے رہے۔ اور جو بھی حکمران ہو، کوئی بھی پارٹی ہو یا فوج ہو، ہر زمانے میں اقتدار انھی گننے والے افراد کو حاصل رہا ہے۔ نئی صنعت اور تجارت کا حال بھی مختلف نہیں۔ اس میدان میں بھی وہی چند ہزار خاندان دولت کی کنجیوں کے مالک ہیں۔ سیاست ہو یا معیشت، ہر میدان میں وراثت کا اصول جاری و ساری ہے اور محنت اور میرٹ کا ہر قدم پر خون کیا جا رہا ہے۔

اس ہمہ گیر بگاڑ کے تین بڑے ہی تشویش ناک پہلو ہیں۔ پہلا اخلاقی بگاڑ جو خود سرکاری سرپرستی میں منظم اور ہمہ گیر کوششوں کے نتیجے میں بد سے بدتر صورت اختیار کر رہا ہے اور ظلم اور بد اخلاقی اس مقام کو چھو رہی ہے جہاں سے کارواں کے دل سے احساس زیاں بھی رخصت ہوتا نظر آتا ہے۔ ترقی پریش کا دور دورہ ہے جو تقریباً ہر سطح پر طریق حیات بنتی جا رہی ہے حتیٰ کہ بین الاقوامی ادارے بھی پاکستان کو دنیا کے دو یا تین سب سے زیادہ کرپٹ ملکوں میں شامل کر رہے ہیں۔ ملکی اور عالمی ذرائع ابلاغ سب تین اسلامی شعائر اور معاشرے کی مسلمہ اقدار و آداب کو پامال کرنے میں مصروف ہیں۔ تعلیم کے نظام نے صرف علم ہی کی رسولی کا سامان نہیں کیا ہے، اخلاق کا بھی جنازہ اٹھا دیا ہے۔ روایات کے بند سن کھل رہے ہیں اور اپاحت اور آزاد روی کا سیلاب امنڈ رہا ہے۔ اور پچشم سرد دیکھا جا سکتا ہے کہ اس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

دوسرا تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ افراد کے اس اخلاقی بگاڑ کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کے ہر اس ادارہ کو تباہ کیا جا رہا ہے جو قوم کی کشتی کو لنگر کی طرح تھامتا ہے۔ دستور ہو یا قانون، پارلیمنٹ ہو یا انتظامیہ، عدلیہ ہو یا پولیس، سول سروس ہو یا لوکل باڈیز، تعلیم ہو یا ذرائع ابلاغ حتیٰ کہ قوم کا آخری سہارا یعنی خاندان ہر ایک کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ جن اداروں کو بڑی محنت اور قربانی سے استعمار کے اقتدار کے باوجود محفوظ رکھا گیا تھا، آج ان کی چولیس ٹل گئی ہیں اور دیواریں گر رہی ہیں۔

بگاڑ کا تیسرا پہلو پالیسی سازی کے سارے عمل اور فیصلہ کرنے والے اداروں اور افراد کا بیرونی اثرات کے تابع ہونا ہے جس سے ملک کی سیاسی اور نظریاتی آزادی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ معاشی پالیسیاں بیرونی ساہوکاروں کے ہاتھوں گروی رکھ دی گئی ہیں اور اب ورلڈ بینک اور آئی۔ ایم۔ ایف کا دخل اتنا بڑھ گیا ہے کہ ملک کا بجٹ ملک کی پارلیمنٹ نہیں، ان اداروں کے احکام کے مطابق بنایا جا رہا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ خود وزیر اعظم کے معاشی مشیر، تجار اور صنعت کاروں سے گھر رہے ہیں کہ اگر آپ کو اپنی سفارشات کو منظور کرانا ہے تو آئی۔ ایم۔ ایف کے کارپروایزوں سے بات کریں! یہی حال قانون سازی کا ہے۔ قانون بناتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جا رہا کہ ملک و ملت کا مفاد کیا ہے یا اللہ اور اس کے رسول کا فرمان کیا ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ امریکہ اور مغرب اس بات پر خوش ہو گا اور کس پر نکتہ چین۔ چونکہ مغرب نے آج کل فنڈ امنٹلزم اور تشدد کا ہوا کھڑا کر رکھا ہے اس لیے ہم نہ صرف قسمیں کھا رہے ہیں کہ ہم فنڈ امنٹلسٹ نہیں ہیں بلکہ ہر قانون اور اخلاقی قدر کو پامال کر کے واشگفتن اور اس کے گماشتوں کے آگے ناک رٹ رہے ہیں اور انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ان بھیڑیوں اور درندوں کی بھیٹ چڑھا رہے ہیں۔ خود اقتدار میں آنے اور اقتدار میں رہنے کے لیے عوام اور پارلیمنٹ کی بجائے واشگفتن کی اشیراد حاصل کرنے کی کوششیں کی جاتی

ہیں۔

غرض سیاست، معیشت اور ثقافت و تمدن ہر میدان میں ہم اپنی آزادی اور حاکمیت پر سمجھوتے کر رہے ہیں اور جو کچھ مسلمانانِ پاک و ہند نے اپنی جان، مال اور آبرو کی قربانی دے کر حاصل کیا تھا اسے چند طالع آزمائے مفاد کی خاطر مسلسل داؤ پر لگاتے چلے آ رہے ہیں اور آج نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔

یہ ہے وہ حالتِ زار جس میں آزادی کے ۴۹ سال کے بعد ماضی کے کچھ فوجی اور ماضی اور حال کی کچھ نام نہاد جمہوری قوتوں کی حکمرانی کے طفیل پاکستان اور اٹل پاکستان جتلا ہیں۔ وہ ملک جو پوری ملت اسلامیہ کے لیے نئی امیدوں اور ایک روشن مستقبل کا پیغام لے کر سیاسی افق پر رونما ہوا تھا اسے ان اتھاہ تاریکیوں میں پہنچا دیا گیا ہے اور بگاڑ اس انتہا کو پہنچ گیا ہے جہاں لوگ خود ملک کے مستقبل کے بارے میں مایوس ہونے لگے ہیں اور کیفیت یہ ہے کہ

ایسا جس کہ لو کی دعا مانگتے ہیں لوگ!

صورتِ حال کے بگاڑ اور تاریکی کی شدت کا انکار حقیقت کے انکار اور عاقبت ناندیشی کے مترادف ہو گا۔ لیکن ہماری نگاہ میں مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لیے بھی کہ مایوسی کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ حالات کیسے ہی خراب کیوں نہ ہوں، مومن کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوتا (لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ) ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مخلص انسانوں کی قربانیوں کو کبھی رائیگاں نہیں کرے گا جن کے خون اور عصمتوں کی قربانی سے یہ ملک عزیز وجود میں آیا ہے۔ اس لیے بھی کہ تاریخ کا یہی فیصلہ ہے کہ بگاڑ کی قوتیں ایک خاص حد پر پہنچنے کے بعد شکست و ریخت کا نشانہ بنتی ہیں اور خیر اور صلاح کی قوتیں بالاخر غالب ہوتی ہیں۔ جس طرح زوال اور انتشار ہماری تاریخ کی ایک حقیقت ہے اسی طرح تجدید اور احیاء بھی ایک درخشاں حقیقت ہیں۔

گھبراہٹیں نہ ظلمت سے گزرنے والے آغوش میں ہر شب کے سحر ہوتی ہے
ذرا بے عظیم بن کی تاریخ کو ذہن میں تازہ کر لیجیے۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور برطانیہ کے غلبہ کے بعد کیا حالت تھی۔ وقت کا نقیب بجا طور پر کہہ رہا تھا کہ

ظلمت کا کوئی حد سے گزرنا دیکھیے

تاریکی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے میں نعوذ باللہ خدا کا جنازہ نکالا گیا اور الحاد اور سوشلزم کا کھلے بندوں پر چار ہوا۔ مسلمانوں کی شدھی کی گئی اور ان کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ لیکن پھر چشمِ تاریخ نے دیکھا کہ حالات بدلے اور ایک نئی تحریک ابھری

اور مسلمان آزادی سے ہمکنار ہوئے۔ کشمیر میں ہندوستان کی فوجوں کی قوت اور ظلم و غارت گری کو دیکھیے اور یہ بھی دیکھیے کہ کس طرح چند ہزار نوجوانوں نے ایمان اور عزم راسخ کے ذریعے سات لاکھ فوجیوں کے دانت کھٹے کر دیے ہیں۔ افغانستان میں روس کس زعم کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن دیکھیے کہ دس سال کے اندر حالات نے کیسا پلٹا کھایا اور نہ صرف یہ کہ روسی افواج افغانستان سے پسپا ہوئیں بلکہ خود اشتراکیت صرف افغانستان ہی سے نہیں خود اپنے مستقر سے پسپا ہونے پر مجبور ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عالمی نظریے اور سوپر پاور کا شیرازہ بکھر گیا۔

خود پاکستان کے حالات پر اگر آپ غور کریں تو صاف نظر آئے گا کہ یہاں لادینی قوتوں نے ہر زمانہ میں طرح طرح سے اسلام کو نشانہ بنایا مگر بالاخر منہ کی کھانا پڑی۔ سیکولر طبقے کو مجبوراً دستور میں اسلام کی بالادستی کے اصول کو تسلیم کرنا پڑا۔ ایک نیم فوجی آمر نے بڑے طمطراق سے کہا تھا کہ سارے مولویوں کو کشتی میں بٹھا کر ملک سے رخصت کر دیا جائے گا لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ اہل ایمان تو مضبوط رہے لیکن اس آمر ہی کو ملک سے فرار ہونا پڑا۔ ایک دوسرے فوجی آمر نے بڑے دعوت کے ساتھ فرد واحد کا بنایا ہوا دستور ملک پر مسلط کیا اور پاکستان کے نام سے ”اسلامی“ اور دستور سے ”قرارداد مقاصد“ کو نکالنے کا اعلان کیا لیکن دو سال کے اندر اندر خود اس کو پسپا ہونا پڑا۔ پاکستان کا اصل اسلامی نام بھی بحال ہوا اور قرارداد مقاصد بھی دستور کا حصہ بن گئی اور خود اس ہی کے ہاتھوں بنی۔ پھر ایک سول مارشل لائیڈ منسٹر نے باقاعدہ ”سوشلسٹ پاکستان“ کا نعرہ ہی نہیں لگایا بلکہ دستور کا مسودہ بھی اسمبلی میں پیش کر دیا جس میں پاکستان کو سوشلسٹ اسٹیٹ بنانے کا اہتمام کیا گیا تھا مگر چند ہی ماہ میں اسے اسلام کی کڑوی گولی نکلنا پڑی اور پاکستان اسلامی جمہوریت قرار دے دیا گیا اور دستور کی اسلامی دفعات اپنے اصل رنگ میں جلوہ افروز ہوئیں بلکہ ایک ایسی اسمبلی نے جس پر سیکولر عناصر کا غلبہ تھا، وہ دستوری ترمیم بھی منتفقہ طور پر منظور کی جس نے ختم نبوت کے تمام باغیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کیا۔ اس طرح جدید تاریخ میں پہلی بار مسلمان کی تعریف دستور کا حصہ بنی۔

الحمد للہ فوجی یا سول آمریت کے ہر دور کا انجام بالاخر آمروں کی شکست اور عوام کی فتح کی صورت میں ہوا۔ نشیب و فراز زندگی کا حصہ ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر نشیب کے بعد فراز اور ہر پستی کے بعد بلندی کا ظہور ہوتا ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤں سے عالمی پس منظر میں ایک اور مثال بھی قابل غور ہے۔ پاکستان نے جب عزم صمیم کے ساتھ اپنے دفاع کے لیے نیوکلیر ٹیکنالوجی کے حصول اور ترقی کا فیصلہ کیا تو آپ نے دیکھا کہ تمام عالمی دباؤ ہر طرح کی مزاحمت اور پابندیوں کے باوجود اللہ کے فضل اور ہمارے سائنس دانوں کی محنت شاقہ کے

۲۔ دوسرا اہم مسئلہ 'جو بڑی حد تک بگاڑ کے پہلے سبب کی بنیاد ہے وہ قوم کا دو بڑے طبقوں میں بٹ جانا ہے۔ ان پچاس برسوں میں ایک ایسا مفاد پرست طبقہ وجود میں آ گیا ہے جو لوکل بائزیت لے کر اقتدار کے اعلیٰ ترین اداروں تک چھایا ہوا ہے۔ یہ وہی طبقہ ہے جسے سامراجی دور میں قیادت کے منصب پر لایا گیا تھا اور جو بیرونی استعمار کے آلہ کار کے طور پر اپنی ہی قوم کو غلام بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ بیشتر زمینداروں اور جاگیرداروں کا تعلق اسی طبقے سے ہے۔ پھر سول اور ملٹری بیورو کریسی کا بڑا حصہ بھی اسی طبقے سے متعلق ہے۔ نیا سرمایہ دار اور بورژوائی طبقہ جو معاشی ترقی اور بیرونی لہداد کے سہارے ابھرا وہ بھی اسی طائفے میں شامل ہو گیا۔ مغربی اقوام نے بھی اسی طبقے کو ذریعہ بنایا ' اسی کو مضبوط کیا اور اسی کی نئی نسلوں کو تعلیم، تربیت اور وسائل سے مالا مال کر کے قوم پر ایک ایسی قیادت کے نسل در نسل مسلط رکھنے کا اہتمام کیا جو ملت اسلامیہ کے مقاصد سے نا آشنا اس کے مزاج سے ناواقف اس کے اخلاق اور شعائر سے نابلد اور اپنے ذاتی مفاد اور مغربی اقوام کے اغراض و مقاصد کے حصول میں سرگرم عمل ہے۔

یہ ہے وہ طبقہ جو عوام اور اقتدار کے درمیان حائل ہے اور اس کی وجہ سے آج تک اقتدار عوام کی طرف حقیقی معنی میں منتقل نہیں ہوا۔ یہ تعلیم کے فروغ کی راہ میں حائل ہے اس نے معاشی لوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے اس نے صحیح ترقیاتی ترجیحات پر کبھی عمل نہیں ہونے دیا اس نے قومی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے۔ اس کے سامنے صرف اپنا مفاد ہے۔ اور مفاد کی طمع نے اسے اتنا اندھا کر دیا ہے کہ وہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ اس طرح وہ اس ملک ہی کو تباہ کر رہا ہے جس کی بقا اور ترقی میں سب کے لیے حیات ہے اور جس کی تباہی سب کے لیے موت کا پیغام ہے۔

۳۔ خرابی کی تیسری بڑی وجہ دستور اور قانون کے احترام کی کمی ہے۔ جن کے ذمہ قانون کی بالادستی کا قیام ہے وہی اس کو سب سے زیادہ توڑنے کا باعث ہیں۔ بار بار دستور کے توڑنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دستور اور قانون کا احترام باقی نہیں رہا ہے۔ احتساب کا کوئی موثر نظام موجود نہیں ہے جو دستور اور قانون کے توڑنے والوں اور قومی خزانہ کو لوٹنے والوں کی موثر گرفت کر سکے۔ میرٹ کا اصول ختم ہو گیا ہے اور سفارش مشکل کشا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس نے سول حکومت کے پورے نظام کو تباہ و بالا کر دیا ہے۔ سول ایڈمنسٹریشن اور پولیس کا سیاسی مقصد کے لیے استعمال کھلم کھلا ہو رہا ہے۔

۴۔ بگاڑ کا چوتھا سبب اقتدار کا ارتکاز ہے۔ جمہوریت محض الیکشن کا نام نہیں۔ جمہوریت تو عمارت ہے قانون کی حکمرانی، تقسیم اور توازن اختیارات، اجتماعی محاسبہ، حقوق کے احترام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مواقع کی موجودگی، عدلیہ کی آزادی اور صاف ستھری اور کھلی حکومت

سے۔ اور یہی چیزیں ہمارے یہاں مفقود ہیں۔ ارتکاز اقتدار ہی کا ایک پہلو مرکز میں اختیارات کا جمع ہو جانا اور دستور کے مطابق صوبوں اور لوکل باڈیز کو ان کے حقیقی اختیارات اور مواقع کار سے محروم رکھنا ہے۔ ملک اب اس مقام پر آگیا ہے جہاں اگر فوری اصلاح نہ ہوئی تو بہت بڑی تباہی سے دوچار ہو سکتا ہے۔ مرکز گریز تحریکوں کے رونما ہونے کی ایک بڑی وجہ نیچے تک اختیارات اور وظائف کی تقسیم اور ترسیل کے بنیادی مسئلہ سے انغماض ہے۔

۵۔ بگاڑ کا پانچواں سبب تعلیم کی کمی اور تعلیم کے اسی نظام کو مزید بگاڑ کے ساتھ باقی رکھنا ہے جو سامراجی قوتوں نے ایک غلام قوم کے لیے بنایا تھا۔ مسئلہ تعلیم سے محرومی کا بھی ہے اور غلط تعلیم کا بھی۔ پھر ملک میں آج کوئی ایک تعلیمی نظام نہیں ہے۔ تین تین نظام بیک وقت چل رہے ہیں۔ ایک عام لوگوں کے لیے جس کی زبوں حالی دیدنی ہے۔ ایک دو سرار وایتی بین تعلیم کا نظام جو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں اور تیسرا وہ اشرافی (elitist) تعلیمی نظام جو صرف لٹل ثروت اور مفاد پرست طبقہ کے بچوں کے لیے ہے اور جس کے ذریعہ یہ طبقہ اپنے اقتدار کو دوام بخشنے میں سرگرم ہے۔

۶۔ بگاڑ کا چھٹا سبب غلط معاشی نظام ہے جس نے ایک طرف زراعت کو قرار واقعی ترقی نہیں دی اور دوسری طرف زراعت کی لہی بنیادی اصلاحات کا راستہ روکا جس کے بغیر ملک زمینداری اور جاگیرداری کی لعنت سے نجات نہیں پاسکتا۔ اس پر مستزاد وہ نیا صنعتی اور تجارتی نظام ہے جس نے جدید سرمایہ داری کو کھل کھیلنے کا پورا موقع دیا ہے اور جس کے نتیجے میں ملک میں ایک ایسی معیشت ترقی پا رہی ہے جس کی پیداواری صلاحیت محدود اور جس کا سارا بہاؤ تفریح کی زندگی، سروسز کا فروغ، درآمدات کے ذریعے دولت مند طبقے کے لیے فراوانی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ بنیادی صنعتی اور سماجی انفراسٹرکچر (industrial and social infra structure) کی ضرورت سے انغماض برتا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں غربت بڑھ رہی ہے۔ آبادی کا ۳۰ سے ۴۰ فی صدی آج ضروریات زندگی سے محروم ہے اور دولت کی غیر مساویانہ تقسیم میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اصلاح کا راستہ کیا ہے؟ ہماری نگاہ میں نہ فوج کی مداخلت حالات کو درست کر سکتی ہے اور نہ تشدد کی سیاست۔ ملکی سیاست میں تصادم اور تلخی جس حد کو پہنچ گئی ہے اس سے صرف سیاست ہی نہیں ملک کا وجود خطرے میں ہے۔ ہماری نگاہ میں اس کی بڑی وجہ حکومتوں کی آمرانہ روش، تنگ دلی اور تنگ نظری ہے۔ ویسے تو بنگار کی ذمہ داری تمام ہی حکومتوں پر درجہ بہ درجہ آتی ہے لیکن موجودہ حکومت سب پر بازی لے گئی ہے۔ اس نے اقتدار میں آنے کے فوراً بعد تصادم کی

جو روش اختیار کی، اس کا آغاز صوبہ سرحد میں صوبائی حکومت کو غیر دستوری، اور غیر اخلاقی طریقے سے تبدیل کرنا تھا۔ یہ وہ ٹیڑھی لینٹ تھی جس کے بعد سے حال یہ ہے کہ تاثریامی روڈ دیوار کج۔ اور اب تو عالم یہ ہے کہ کراچی سے راولپنڈی تک معصوم انسانوں کا خون بہایا جا رہا ہے اور کسی کی آنکھ نہیں کھل رہی۔ یہی وہ حالات ہیں جو تشدد کی سیاست کو جنم دیتے ہیں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک کے وہ تمام عناصر جو حالات سے غیر مطمئن ہیں، بگاڑ کے اسباب پر متفق ہیں اور جو اصلاح کے خواہاں ہیں وہ مل جل کر موثر سیاسی جدوجہد کے ذریعہ صرف برسر اقتدار افراد ہی کو بدلنے کی سعی نہ کریں بلکہ نظام کو بھی بدلنے کی جدوجہد کریں۔ بگاڑ کے ایک ایک سبب کو دور کرنا ہو گا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ایک نئی قیادت ابھرے جس کا دامن پاک ہو، جو عوام میں سے ہو اور جو عوام کے سامنے جوابدہ ہو۔

سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ پاکستان کے اصل مقاصد، اس کی منزل اور ترجیحات کے بارے میں یکسوئی ہو۔ وہ تمام دینی اور سیاسی عناصر جو اسلام، جمہوریت، عدل اجتماعی اور خود انحصاری پر یقین رکھتے ہیں وہ ایک دوسرے سے قریب آئیں اور اصولوں پر پختہ ایمان رکھنے والی باردار قیادت کو قوم کے سامنے لائیں۔

قائد اعظمؒ نے اپنا مقدمہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور روایتی سیاست کاروں کے سامنے نہیں، برعظیم کے مسلم عوام کی عدالت میں پیش کیا۔ ان کو بیدار اور متحد کیا اور ایک ایسی عوامی اور جمہوری لہر پیدا کی کہ روایتی قیادتیں اس سیلاب کے آگے بہ گئیں۔ آج پھر اس کی ضرورت ہے کہ جمہوری ذرائع سے جمہور کو بیدار اور منظم کیا جائے اور پاکستان کے مقاصد کے لیے ان کو متحرک کیا جائے۔ ملکی اور غیر ملکی سازشی عناصر کا اصل توڑ عوام کی بیداری اور ان کی منظم قوت ہے۔

دوسری بنیادی چیز قیادت کا صحیح معیار ہے۔ قوم نے بہت دھوکے کھائے ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ نئی قیادت عوام میں سے ابھرے۔ اور اپنے اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دستور پاکستان میں مرقوم معیار (دفعہ ۶۲-۶۳) پر پوری اترے۔ عوام اور الیکشن کمشن کو یہ اختیار ملنا چاہیے جیسا کہ فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں کہا ہے کہ وہ ان دفعات کو عملاً نافذ کر سکیں۔ یہ وہ چھلنی (filter) ہے جس سے بہتر قیادت رونما ہو سکتی ہے۔

تیسری چیز ایک ملٹی ضابطہ اخلاق کی تشکیل ہے جس کی پابندی تمام سیاسی جماعتوں، پریس اور میڈیا پر لازم ہو۔ اسے انعام و تعزیم سے مرتب کیا جانا چاہیے۔ کافی کام ماضی میں ہوا ہے۔ خود دستور میں اس سلسلہ میں بڑی رہنمائی موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس پر نیا اتفاق رائے پیدا کیا جائے اور اس کے نفاذ کے لیے کوئی موثر نظام بنایا جائے خواہ عدلیہ اس کام کو انجام دے یا کوئی اور نیا قومی

ادارہ۔

چوتھی چیز نظام انتخاب کی اصلاح ہے۔ انتخابی کمیشن حکومت اور اہم احزاب اختلاف کے باہم مشورے اور اتفاق رائے سے مقرر ہونا چاہیے۔ پاکستان کے حالات میں انتخابات نگران حکومت کے تحت ہونے چاہئیں جس کے بغیر منصفانہ انتخابات کی توقع عبث ہے۔ بلکہ دیش کا حالیہ تجربہ اس سلسلہ میں قابل غور ہے۔ اس امر پر بھی غور کی ضرورت ہے کہ اسمبلی کی مدت پانچ سال سے کم کر کے ۴ سال کر دی جائے تاکہ احتساب کم وقتے سے ہو سکے۔

پانچویں چیز ایک اعلیٰ احتسابی کمیشن کا قیام ہے جس کا مطالبہ جماعت اسلامی اول دن سے کر رہی ہے اور جس کا وعدہ خود پیپلز پارٹی اور آئی جے آئی دونوں اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ دوسری جماعتوں نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ یہ مستقل کمیشن حکومت، احزاب اختلاف یا کسی بھی شہری یا متاثر ہونے والے فرد کی طرف سے تمام منتخب اور دوسرے ذمہ دار افراد کا احتساب کر سکے اور اس ادارہ کو یہ اختیار حاصل ہو کہ جس نے بھی اپنی سرکاری حیثیت کو ذاتی نفع کے لیے استعمال کیا ہو اسے قرار واقعی سزا دے اور عوامی وسائل ان سے واپس لے کر سرکاری خزانے میں لائے۔

چھٹی چیز دستور کے مطابق صوبائی اور لوکل باڈی کی سطح پر اختیارات کی منتقلی ہے۔ سینیٹ کو زیادہ مضبوط اور موثر بنانا بھی اس سلسلہ میں بڑا مفید ہو سکتا ہے۔

ساتویں چیز عدلیہ کی آزادی، اس کی انتظامیہ سے علیحدگی اور عدلیہ کے فیصلوں کی بلا امتیاز تنفیذ ہے۔

آٹھویں چیز سول انتظامیہ اور پولیس کا ایسا انتظام ہے جو ان کی آزاد اور غیر سیاسی حیثیت کو مستحکم کر سکے۔ ملکی، سول انتظامیہ اور پولیس، ریاست کا ادارہ تو ہوں مگر حکمران پارٹی کے سیاسی آلہ کار نہ ہوں۔ اس کے لیے دستوری دیا جائے۔

نویں چیز قومی زندگی سے کرپشن کا خاتمہ اور اس کے لیے ہر سطح پر موثر مہم ہے۔

آخری اور بہت ہی ضروری چیز ایک نئی سماجی اور معاشی پالیسی ہے جس کا ہدف صحیح تعلیم کا فروغ، علاج کی سہولتوں کی فراہمی، غربت اور بے روزگاری کا خاتمہ اور روزگار کے مواقع کی فراہمی اور ایسی معاشی اصلاحات ہیں جن سے سود، قمار اور ہر طرح کے استحصال کا خاتمہ ہو، دولت کی تقسیم منصفانہ ہو سکے اور تمام انسانوں کو زندگی کی جائز ضروریات مل سکیں۔

یہ وہ دس نکات ہیں جن پر عمل کر کے قوم ایک بار پھر اسلام کے حیات بخش نظام کے قیام کے لیے متحد اور سرگرم عمل ہو سکتی ہے اور چمن میں اس کی رونمائی ہوئی بہار واپس آ سکتی ہے۔